اسلام میں سربراہِ مملکت

رضوانہ عثمان
علی آباد

انسان انفرادی زندگی سے قبائلی زندگی کے دور میں داخل ہوا یہ کم وبیش جمہوری دور تھا۔ قبیلے کے بزرگ اجتماعی طور پر اصول مساوات کو مد نظر رکھتے ہوئے قبیلے کے امور نمٹایا کرتے تھے۔ اگر کوئی سارے قبیلے کا سردار ہوتا تو اسے عزت اور بزرگی کی رعایت کے سوا اور کوئی مادی مراعات نہ ملتیں اس کا سرمایہ اعلیٰ اقدار ہوتے جس پر اس کی شخصیت اثر ورسوخ اور رعب کی بنیاد قائم رہتی۔ عدل وانصاف اس کی زندگی اور قبائلی نظام کا پہلو ہوتا۔ قبائلی نظام تھا ہی ایسا کہ کسی کو بے انصافی کا نہ تو خیال آ سکتا تھا نہ گنجائش تھی اور نہ کوئی جرات کر سکتا تھا۔

آخر سوسائٹی بنی انسان قبیلے سے نکل کر ایک بڑے معاشرے میں شامل ہوا اجتماع کی شکل بدل گئی مگر اس اجتماعی سوسائٹی کو منظم رکھنے کیلئے کسی مرکزی طاقت کی ضرورت تھی جس کے بغیر سوسائٹی کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ لوگوں کے باہمی تعلقات اور روزہ زندگی کے مسائل نمٹانے کیلئے کسی خاص ادارے کی ضرورت تھی۔ اس اجتماع کے مرکزی قوت کی حیثیت کو دوام بخشنے کیلئے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جس کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قدریں اس سوسائٹی کے باقی افراد سے افضل ہوں جس میں مرکزی قوت بننے کی صلاحیتیں ہر کسی سے زیادہ ہوں جس میں فکروعمل دونوں موجود ہوں جو لوگوں کے درمیان انصاف بھی کر سکے اور اپنی اعلیٰ شخصیت کی بنا پر سوسائٹی کی بنا پر سوسائٹی کا اعتماد بھی بحال رکھ سکے۔ آخر یہ انسان مل گیا۔ لیکن جب یہ انسان حکمرانی کے سٹیج پر آیا تو اسے رہنے کیلئے ایک ایسے گھر کی ضرورت پیش آئی جو تمام لوگوں کے گھروں سے مختلف ہو اس کی تعمیر اتنی نرالی ہو کہ نہ صرف مملکت میں یہ ایک نمایاں گھر ہو بلکہ اپنے وقت کے لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ جائیں اور کسی دوسرے کو ایسا گھر بنانے کی سکت نہ ہو۔

لوگوں میں جلوہ افروز ہونے کیلئے اس حکمران کو ایک ایسی اونچی جگہ پر بیٹھنے کی ضرورت پیش آئی جس سے وہ تمام لوگوں میں ممیز ہو سکے۔ صرف یہی تو نہیں تھا بادشاہ کے وزراء بھی تھے اور امراء بھی جاگیردار بھی تھے۔ اور مذہب دار بھی عمال بھی تھے، اور کاردار بھی۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو بادشاہ کیلئے حکومت کا کاروبار چلانے کے علاوہ اس کے مزاج شناس بھی تھے۔ اپنے آقا کو خوش کرنے اور اس کی ہر جائز وناجائز بات کی تصدیق کرنے کے ڈھنگ سے آشنا تھے۔ ذاتی عزت نفس سے زیادہ ان کو اپنے مادی فوائد اور اپنے آقا کی قربت کی بنا پر سوسائٹی میں مقام عزیز تھا۔ باہر سے بڑے بڑے خطاب رکھتے تھے مگر اندر سے کھوکھلے تھے۔ جہاں شاہی امرا کے زرق برق لباس کے نیچے سے بسیار خوری کے سبب ڈھول کر توندیں باہر نکلی ہوئی تھیں وہاں چیتھڑوں میں ملبوس رعایا سوکھی روٹی کے دونوالوں کیلئے ترستی تھی۔ پھر بھی شب وروز محنت مزدوری میں مگن رہتی اور اوپر کے دونوں بے کار طبقے ان کے خون پسینے کی کمائی پر عیش اڑاتے صرف اتنی بات تو نہیں تھی ان دونوں طبقوں سے جان ومال کے ساتھ ساتھ رعایا کی عزت بھی محفوظ نہیں تھی۔ انصاف کوڑیوں کے مول بکنے لگا۔ مساوات کا تصور تک نہ رہا۔ انسان، انسان کا آقا اور دیوتا بن گیا۔

انسانیت کی ساری قدریں پامال ہوگئیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول چل نکلا۔ خلق، بداخلاقی کے نیچے اور انسانیت زور اور طاقت کے نیچے کراہنے لگی یہ زمانہ جاہلیت تھا۔ جس کے مہیب سائے ساری دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ اچانک دھاکا ہوا تاریکیاں چھٹ گئیں ہر طرف نور کا سماں بندھ گیا اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر مبعوث ہوئے اور ان کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوئی۔

اسلام اس وقت بھی تھا جب حضرت آدمؑ پیدا ہوئے تھے اور حضرت آدمؑ کے بعد انسان کو متواتر کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے ذریعے اسلام سے باخبر رکھا گیا اس وقت اسلام اتنا تھا جتنا اللہ تعالیٰ نے انسان تک بھیجا تھا۔ البتہ اس .... کی تکمیل ایک خاص موقعہ پر ہونا تھی جو ہوگئی جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم

الاسلام دینا.

یہ الگ بات ہے کہ بعد کے زمانے میں اسلام کی وہ روح نہ رہی جو السابقون الاولون کے دور میں تھی اسلام کا سب سے پہلا وار مطلق العنان حکمران پر تھا اسلام نے ملوکیت کا تصور مٹا دیا۔

اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ اقتدار اعلیٰ کی مالک صرف اور صرف خدا کی ذات ہے اس نے جو رستہ دکھایا ہے اس سے نہ تو کسی کو سر مو انحراف کی اجازت ہے اور نہ ہی اس میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درمیان صراط مستقیم کی مستقل طور پر نشاندہی کی آزادی، مساوات اور جمہوریت کی بنیادیں قیامت تک مضبوط کیں۔ انسان کو بلاتمیز رنگ ونسل، امارت یا نصب اشرف المخلوقات کی عظمت بخشی، حقوق العباد کا درس دیا غرض یہ کہ عملی نمونہ پیش کرنے کی خاطر حضور پاکؐ کی حیات طیبہ صرف پیغمبرؐ کی حیثیت سے نہیں سربراہ مملکت کی حیثیت میں بھی ایک بہترین مثال کا درجہ رکھتی ہے۔

اب کہ جو ہستی مطلق العنان حکمران کی جگہ سامنے آئی اس کا لباس مختلف تھا اس کے رہن سہن کا انداز مختلف تھا اس کی نشت و برخاست مختلف تھی۔ اس کی خوراک مختلف تھی اس کا سلوک اور رویہ مختلف تھا۔ یہ سب کچھ بادشاہی اور ملوکیت کا اتنا ضد تھا کہ دونوں میں بعد المشر قین تھا۔ دولت مکمل طور پر درمیان سے نکل گئی اس کی ضرورت بھی نہ رہی کیونکہ تاج وتخت، محل و دربار اور مصاحبین و افواج کے ذریعہ سے برتری کا قاعدہ ہی الٹ دیا گیا اب تو برتری کا واحد ذریعہ تقویٰ یعنی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار تھے۔ جیسا کہ قران میں ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

اس میں حبشی اور قریشی کا فرق مٹ گیا جان کی طرح مال بھی اللہ کی خوشنودی اور انسان کی بہبود کیلئے قربان ہونے لگا۔ لوٹ مار کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہا۔ انفرادی اور اجتماعی آزادی جمہوریت اور مساوات کا دور دورہ ہوا جب اللہ تعالیٰ کا اتنا پیارا رسولؐ اور اسلامی ریاست کا سربراہ بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ کر پیوند لگے کھردرے لباس میں ملبوس مٹی کے چھوٹے سے مکان میں رہتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق سادگی کا اتنا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہا تھا تو اسے دیکھنے والوں کی کیا مجال تھی کہ زندگی کیلئے کوئی اور ڈھنگ اپنا لیں۔ اس نئی سوسائٹی نے اپنی تمام تر باطنی صفائی کے ساتھ ظاہری طور پر بھی اپنے راہنما کی اتباع کی ذرا غور فرمایئے نبی اکرمؐ نماز پڑھ کر حرم شریف میں تشریف لے جاتے ہیں لیکن نہایت تیزی سے دوبارہ مسجد کی طرف آتے ہوئے نمودار ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ ابھی مسجد میں ہیں نبی اکرمؐ کی اس اچانک واپسی پر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اتنے میں آپؐ اصحابؓ کے پاس پہنچ کر فرماتے ہیں کہ سونے کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں موجود تھا مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں یہ رات بھر گھر میں نہ رہے ورنہ میں قیامت کے دن اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا اسے جلدی سے غرباء و مساکین میں تقسیم کر کے پھر گھر واپس تشریف لے جاتے ہیں۔

وفات کے وقت آپؐ کے پاس کیا تھا کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تکیہ پیوند لگی قبا اور کچھ ایسی دوسری چیزیں ایک بات جو نزع کی حالت میں بھی نہیں بھولی وہ یہ تھی کہ گھر میں چند سکے موجود ہیں میری موت سے پہلے انہیں تقسیم کر دیا جائے۔

غرض کہ ایک ایسی سوسائٹی وجود میں آئی جس میں معاشی ناہمواریوں کی بیخ کنی ہوئی بے انصافی کا قلع قمع ہوگیا۔ انسان انسان کا ہمسر ہوگیا۔ خدا کے سوا سارے خوف مٹ گئے۔ حریت وآزادی کا بول بالا ہوگیا۔ قوم کے سردار قوم کے خادم ٹھہرے۔ انسانوں کے درمیان بُعد اور غیریت ختم ہوگئی۔ ظلم اور بربریت دفن کر دی گئی۔ خلق شرافت اور انسانیت کا بول بالا ہوا۔ بڑائی کا معیار بدل گیا۔ یہ زندگی اور انسانیت کی معراج تھی۔ دونوں جہاں کے سردار نبی اکرمؐ کے وصال کے بعد اسلامی ریاست کا ڈھانچہ مکمل طور پر موجود تھا۔ جس کا سربراہ صرف اور صرف اللہ اور رسولؐ کا خلیفہ ہوسکتا تھا۔ خدا اور رسولؐ کے بعد اولوالامر کی اطاعت لازمی ٹھہرائی گئی مگر اولوالامر بننے کی شرائط بڑی سخت تھیں۔ اس ذمہ داری کو وہ شخص قبول کر سکتا تھا۔ جو اللہ اور رسولؐ کے رستے میں ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ ہٹے جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ اور مسلمان اس حد تک اس کے پابند ٹھہرائے گئے کہ جب تک وہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کی مکمل طور پر پیروی اور پابندی کرتا رہے۔ وہ شریعت محمدیؐ کا محافظ ہوگا۔ اس کے فیصلے صرف قران پاک، احادیث رسولؐ، اور اجماع کے عین مطابق ہوں ورنہ وہ اولوالامر کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس سربراہ مملکت کا اپنا کوئی اختیار اور کوئی اقتدار نہیں کیونکہ یہ ایک خاص آئین کا پابند ہے۔ اس کو اس آئین کی پابندی کرتے ہوئے وہ سارے اختیارات حاصل ہیں مگر ان اختیارات کے استعمال میں بھی شوریٰ کا مشورہ ضروری ہے۔ اور مشورہ بھی ان لوگوں کا جن کی ذات میں ہر طرح کی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوں اور

جن کے تقویٰ میں کلام نہ ہو۔ یہ سب کچھ کر کے دکھایا گیا اور جس حسن وخوبی سے کر کے دکھایا گیا اس سے غیر مسلم آج بھی اس رویئے پر انگشت بدنداں ہیں اس اولوالامر کی زندگی کا ہر قدم حضور پاکؐ کے رستے پر رکھ کر چلنا ہوتا تھا۔

اے حکمرانو ! آؤ ذرا اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر اپنی تاریخ کے جھروکوں میں سے جھانکو اور دیکھو ان پاک باز ہستیوں کو جب کسی علاقے کی سربراہی ملتی ہے تو وہ کیسے دنیوی مال ومتاع کو چھوڑ کر اللہ کی خوشنودی اور اس کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ ذرا غور کرو یہ بھی ایک سربراہ ہے اسے بھی تمہاری طرح حکمران بنایا جاتا ہے۔ لیکن کپڑے کا تھان کندھے پر لٹکائے بازار جارہا ہے سامنے اصحاب کبارؓ آ کر پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے خلیفہ کپڑا کیوں بیچ رہا ہے؟ خلیفہ جواب دیتا ہے کہ کوئی کام تو کرنا ہی ہے گھر کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے کپڑا بیچنے کیلئے بازار جارہا ہوں انہیں جواب ملتا ہے کہ خلافت کا کاروبار کون چلائے گا؟ سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں کہ بیت المال سے خلیفہ کا اتنا وظیفہ مقرر کیا جائے جس سے قوت لا یموت کا سلسلہ قائم رہے اور یہ وظیفہ کم سے کم مقرر کیا جاتا ہے۔ یعنی آج کے کسی مزدور یا درجۂ چہارم کے ملازم کے برابر جس سے صرف روکھی سوکھی چل سکے۔ آخر یہ بیت المال ہے جس میں ساری اسلامی ریاست کے باشندوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ یہ کسی بادشاہ کا خزانہ عاصرہ تو نہیں ہے۔

خلیفہ کی زندگی نہایت عسرت کی ہے اس کی بیوی آخر انسان ہے ایک دن خلیفہ کے سامنے میٹھا کھانا کھانے کی خواہش ظاہر کرتی ہے خلیفہ کا جواب بس ایک ہی ہے کہ مجھے تو بیت المال سے یہی کچھ ملتا ہے جس سے روکھی سوکھی چل سکے میٹھا بنانے کیلئے پیسے کہاں سے لاؤں؟ چند دن کے بعد بیوی انہیں کچھ پیسے لا کر دیتی ہے کہ بازار سے جا کر سامان لے آیئے آج میٹھا کھائیں گے۔ سودا سلف بھی خلیفہ کو اپنے لئے خود خریدنا پڑتا تھا۔ اس کے پاس آج کے حکمرانوں کی طرح خدام وحشم کی فوج تھوڑے تھی بیوی سے پوچھتے ہیں پیسے کہاں سے آئے؟ بیوی جواب دیتی ہے کہ جو وظیفہ آپ کو ملتا ہے اس میں سے چند دن کیلئے ذرا زیادہ تنگی سے کام لے کر گھر کا خرچ چلاتی رہی تاکہ اتنا پیسہ بچ جائے جس سے میٹھا بن سکے۔ خلیفہ بیوی سے پیسے لیکر سیدھا بیت المال کے خزانچی کے پاس جا کر اسے بتاتا ہے کہ میرے وظیفے میں میری بیوی اتنی رقم بچا سکتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ جتنا وظیفہ مجھے ملتا ہے اس سے کم پر گزارا ہو سکتا ہے لہٰذا آئندہ کیلئے میرے وظیفے سے اتنی رقم کم کر دی جائے۔

ایک دوسرے خلیفہ سیدنا عمر فاروقؓ آتے ہیں اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے اعلیٰ کردار کے باعث اسلامی فتوحات کا دائرہ بیرونی ممالک میں سیلاب کی طرف بڑھتا جاتا ہے کتنے ممالک فتح ہوئے کتنے بڑے بڑے شہر قبضے میں آ گئے کتنی زبردست طاقتیں مطیع ہوئی۔ قیصر وکسریٰ کے چھکے چھوٹ گئے۔ مدینہ میں مال غنیمت کے انبار لگ گئے۔ مگر پیوند لگی قبا پہنے بغیر چھانے ہوئے آٹے کی روٹی زیتون کے تیل سے کھانے والے مسجد نبویؐ کی خاک پر لیٹنے والے مٹی کے چھوٹے سے مکان میں رہنے والے خلیفہ کو برسرعام روتے دیکھا گیا لوگ حیران ہیں کہ فتوحات کی اس بہتات اور دولت کے اس انبار کے سامنے رونے کا یہ کون سا موقع ہے خلیفہ کہتا ہے کہ مجھے ڈر ہے دولت کہ یہ ہیر پھیر کہیں مسلمانوں کی عادت نہ بگاڑ ڈالے ان کے خلق پر اثر نہ ڈالے اور انہیں اسلامی اقدار سے بیگانہ نہ کر دے۔

رات کا وقت ہے دن بھر کے خلافت کے کاروبار سے تھکا ہوا خلیفہ جس کی ریاست میں ایک وسیع ترین علاقہ شامل ہے امور مملکت بہت بڑھ چکے ہیں۔ جن کو نمٹانے کے ساتھ ساتھ اسے مملکت کے کسی کونے سے آنے والے فرد کی انفرادی شنوائی اور پذیرائی بھی کرنا پڑتی ہے۔ ہر کوئی بلا روک ٹوک خلیفہ کے پاس آ سکتا ہے جو مسجد نبویؐ کے مٹی کے فرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس تک آنے سے روکنے کیلئے کوئی پہرہ دار نہیں ہے۔ سوائے نماز کے وقفے کے دن بھر سرکاری امور سے ذرہ برابر فرصت نہیں ملتی تھک کر چور ہو گیا ہے مگر رات کو یہ کیوں کر سو سکتا ہے۔ اگر یہ سو گیا تو خدا جانے کتنے فتنے جاگ اٹھیں وہ تو خدا کو جواب دہ ہے آخر جو ذمہ داری قبول کی ہے اسے بطریق احسن نبھانا بھی ہے یہ کوئی مطلق العنان حکمران تو ہے نہیں اسے تو اللہ اور رسولؐ کے بتائے احکامات پر چلنا ہے۔

شام کی فتح کے بعد جہاں عیسائیوں نے یروشلم کی چابیاں بذات خود خلیفہ کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے خلیفہ کو جانا ہی پڑا سواری کیلئے ایک ہی اونٹنی ہے ساتھ ایک ذاتی خدمتگار بھی راستہ بہت لمبا ہے۔ سواری کیلئے خلیفہ اور خدمتگار نے باری مقرر کی ہے ہر ایک اپنی باری پر سوار ہوتا بس یہ دو ہی مسافر ہیں اتفاق سے یروشلم پہنچتے وقت سواری کی باری خدمتگار کی ہے خلیفہ پیوند لگے کپڑے پہنے اونٹنی کی مہار پکڑے فصیل شہر کے

قریب آرہا ہے۔ اور خدمتگار اونٹنی پر سوار ہے اوپر مکان کی چھتوں پر ایک خلقت اُمڈ آئی ہے جو مسلمانوں کے خلیفہ کی آمد کی منتظر ہے ان لوگوں نے اس سے پہلے قیصر کی شان دیکھی ہے آنے والے کے بارے میں بھی وہی کچھ سوچتے ہیں مگر یہ نظارہ دیکھ کر مبہوت رہ جاتے ہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا جب ہوش میں آتے ہیں تو خلیفہ اور بادشاہ کا فرق معلوم ہو جاتا ہے رات کو خلیفہ مسلمانوں کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کے گھر (جو شام جیسے ملک کا فاتح ہے) قیام فرماتا ہے۔ اس شخص نے رومیوں کی لاکھوں کی تعداد کی فوج کو جان پر کھیل کر شکست دی ہے جس کے پیروں میں مال غنیمت کے انبار لگ گئے ہیں یہ وہ شخص ہے جس کے پاس جنگ سے پہلے میدان جنگ میں ایک قاصد رومی جرنیل کا پیغام لایا ہے میدان میں مسلمانوں کے لشکر کے سپاہی جگہ جگہ بیٹھے ہیں۔ رومی قاصد ان کے سپہ سالار کو ڈھونڈتا ہے۔ جو اس کے خیال میں مشکل کام نہیں کیونکہ ان کے یہاں تو سپہ سالار کے مزین خیموں والے دربار جس میں دنیا جہاں کے قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں صف بستہ چاق و چوبند پہرہ دار کھڑے ہیں اس لئے اس کا پتہ لگانا آسان ہے۔ مگر یہاں ایسی کوئی نشانی نظر نہیں آتی مجبور ہو کر ایک سپاہی سے پوچھتا ہے کہ آخر تمہارا سپہ سالار کہاں ہے؟ وہ ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایک عام سپاہی کی طرح تن تنہا تلوار ہاتھ میں لئے زمین پر بیٹھا ہے قاصد حیران ہوتا ہے کہ اتنی بڑی فوج کا سپہ سالار کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ بہر حال خلیفہ دیکھتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے گھر میں ایک کھونٹی پر پانی کا مشکیزہ لٹکا ہے۔ اور دوسری میں ڈھال اور تلوار ہے۔ اس گھر کا سارا اثاثہ ہی یہی ہے خلیفہ کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلتا ہے کہ الحمدللہ ابھی مسلمان اسلام سے نا آشنا نہیں ہیں۔

اے میرے قوم کے حکمرانو! ذرا اپنا موازنہ ان خلفائے راشدین کے ساتھ کرو اور سوچو کیا تم بھی انہیں کی طرح اپنی عوام کی خدمت میں ہر دم کمر بستہ رہتے ہو؟ آؤ دیکھو ہمارے اکابرین نے کیسی حکومتیں کی تھیں۔

ایک اور خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ آتے ہیں فتوحات کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے مسلمان سمندر میں داخل ہو جاتے ہیں بحری بیڑے بنائے جاتے ہیں خشکی کی دور دور تک کی سرحدوں کو چھو لیتے ہیں اتنی بری مملکت کا خلیفہ صبح سے دوپہر کے کھانے تک امور ریاست نمٹا کر دوپہر کے کھانے کے بعد مدینہ میں قیلولہ کی خاطر چادر اوڑھ کر ایک درخت کے نیچے سو جاتا ہے اتنے میں دور سے ایک بدو آ کر خلیفہ تک پہنچ جاتا ہے جس کی ابھی آنکھ لگی ہے بدو اسے پاؤں کے انگوٹھے سے پکڑ کر جگا لیتا ہے۔ خلیفہ مسکراتے ہوئے اٹھتا ہے بدو سے کام کا پوچھتا ہے۔ اس کا کام نمٹا کر پھر سو جاتا ہے ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ دوسرا بدو آتا ہے اور اسی طرح آ کر خلیفہ کو جگا لیتا ہے خلیفہ پھر مسکرا کر اٹھتا ہے اور اس بدو کا کام نمٹا کر پھر سو جاتا ہے ابھی سویا ہی تھا کہ تیسرا بدو آتا ہے اور اسی انداز سے جگا لیتا ہے خلیفہ تیسری دفعہ بھی مسکرا کر اٹھتا ہے اور اس کا کام نمٹاتا ہے اتنے میں نماز کیلئے مسجد نبویؐ سے اذان کی آواز آتی ہے اور خلیفہ اٹھ کر مسجد کی راہ لیتا ہے۔

ایک اور خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آتے ہیں شیر خدا بھی ہے، فاتح خیبر بھی ہے اور نبیؐ کی آنکھ کا تارا بھی، خاتون جنت کا شوہر بھی ہے اور بھی بچپن سے لیکر جوانی تک آغوش رسولؐ میں پلا ہے۔ کوئی ایسی قربانی نہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ کے راستے میں نہ دے چکا ہو۔ کوئی ایسا معرکہ نہیں جسے سر نہ کر چکا ہو حتیٰ کہ خندق میں جب کفار مکہ کا ایسا سوار خندق پھلانگ کر مسلمانوں کو للکارتا ہے جو تن تنہا بہت سے آدمیوں کے مقابلے کیلئے کافی ہے۔ شیر خدا آگے بڑھتا ہے پلک جھپکنے میں اسے ڈھیر کر دیتا ہے اور کفار کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔

ہجرت کی رات نبی اکرمؐ کی جگہ پر چادر اوڑھ کر اتنے اطمینان سے سو جاتا ہے کہ علی الصبح جب کفار مکہ موت کے جھولے میں اسے اتنے اطمینان سے سویا پاتے ہیں تو دنگ رہ جاتے ہیں ایک غزوے میں داد شجاعت دیتے ہوئے دشمن کا تیر پنڈلی میں ہڈی تک گھس جاتا ہے درد کی وہ شدت کے کوئی ہاتھ لگائے تو چیخ اٹھتا ہے۔ نماز کا وقت آتا ہے اور خدا کا شیر خدا کے سامنے نماز کیلئے کھڑا ہو کر حسب معمول دنیا و مافیہا سے اتنا بے خبر کہ وہی تیر کھینچ کر باہر نکال دیا جاتا ہے مگر اسے پتہ تک نہیں چلتا۔ کیا بات کی جائے ان کے متعلق جن کی شخصیات کا احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہی نہ ہو۔

وقت تھوڑا اور آگے بڑھ جاتا ہے عمر بن عبدالعزیز جیسا عظیم لیڈر سامنے آیا۔ وہ شہزادہ جو مدینہ کا گورنر ہے اور چالیس اونٹوں پر اس کے رنگا رنگ قیمتی لباس سے بھرے ہوئے صندوق لدے ہوئے آرہے ہیں۔ خود شہزادہ ہونے کے علاوہ عبدالملک کا داماد بھی ہے۔ جو اتنی بڑی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی بیٹی کو جہیز میں بہت کچھ دے چکا ہے۔ اچانک اسے سربراہ مملکت بننے پر

مجبور کیا جاتا ہے وہ اس پر خوش نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جسے نبھانے کیلئے زندگی کی ساری خوشیاں، ساری سہولتیں قربان کرنا پڑتی ہیں اور یہی ہوا۔

اسلامی ریاست کا سربراہ بنتے ہی اپنی ساری جائیداد، مال و دولت، بیت المال میں داخل کر دی۔ گھر آ کر بیوی سے بھی یہی تقاضا کیا یہ بادشاہ زادی بھی اللہ کے نہایت نیک بندوں میں سے تھی باپ کا دیا ہوا سارا جہیز بیت المال میں خوشی خوشی داخل کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ اب اس عظیم الشان شہزادے کی زندگی ایک ایسے درویش کی تھی جو اسلامی ریاست کے سربراہ کی شان ہوتی ہے۔

رات کا وقت ہے خلیفہ ایک کمرے میں بیٹھا ہوا جلتے ہوئے دیئے کے سامنے سرکاری کام میں مصروف ہے اتنے میں بیوی آتی ہے اور گھر کے کسی کام کے سلسلے میں بات کا آغاز کرتی ہے خلیفہ فوراً جواب دینے کے بجائے دیا بجھا دیتا ہے بیوی ناراض ہو کر دیا بجھانے کا سبب پوچھتی ہے۔ جواب دیا جاتا ہے کہ اس دیئے میں تیل بیت المال کا ہے۔ جو صرف سرکاری کام کیلئے جائز ہے آپ گھریلو بات کرتی ہیں میں نہیں برداشت کر سکتا کہ اس دوران بیت المال کا تیل جل جل کر ضائع ہوتا رہے۔ دن بھر کی مصروفیات سے تھک کر چور ہو گیا ہے رات کو سویا پڑا ہے اچانک آدھی رات کو جاگ کر رونے لگتا ہے بیوی گھبرا کر پوچھتی ہے۔ کہ بات کیا ہے جواب دیتا ہے کہ میں خواب دیکھ رہا تھا کہ خراسان کی سرحد پر ایک ٹوٹے ہوئے پل پر ایک گدھے کی ٹانگ اٹک کر ٹوٹ گئی ہے ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

اسلامی سربراہ ریاست کی وجہ سے یہ میری ذمہ داری ہے۔

قارئین کرام! رموز مملکت کیلئے صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے جس کا نمونہ حضور اکرمؐ نے سربراہ مملکت کی حیثیت سے اپنی حیات طیبہ میں پیش کیا اور خلفائے راشدینؓ نے اس کو اپنایا ہے اس سے انحراف کی صورت میں بھی اگر اسے اولوالامر مانا جائے تو ہم غیر مسلموں کو اسلامی ریاست کی روح کے بارے میں کیا مثالیں دے کر قائل کر سکتے ہیں۔

اس موجودہ پرفتن دور میں ہمیں بھی کسی ایسے رہبر اور قائد کی ضرورت ہے جو ہر کام میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والا ہو۔ جس کے دل میں اپنی عوام کیلئے جذبہ ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ ہمارے وطن عزیز کو بھی آج صدیقؓ، فاروقؓ، ذوالنورینؓ، اور حیدر کرارؓ جیسے نڈر بیباک، سچے مسلمان اور متقی راہنماؤں کی ضرورت ہے آیئے اللہ کے حضور دعا کریں۔

اے رحیم و کریم پروردگار ہم مجبور و بے بس قوم تیرے سامنے عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی ایسا مسیحا بھیج جو ہر طرف انصاف کا بول بالا کر دے۔

اے الٰہی آج یہاں عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے حکمران کی ضرورت آن پڑی ہے کوئی ایسا حکمران بنا جو اس دھرتی کو امن و امان کا گہوارا بنا دے اس سرزمین کو اسلام کا مضبوط قلعہ بنا دے اور اسلامی قانون صحیح معنوں میں نافذ کر دے۔

اے اللہ ہماری دعاؤں کو قبول و منظور فرما

آمین۔

سانحہ بٹگرام، مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے

جماعت اہلحدیث صوبہ سرحد کے ایک وفد نے رئیس الجامعۃ الاثریہ ابوعمر مولانا عبدالعزیز النورستانی کی قیادت میں گورنر سرحد سید افتخار حسین شاہ سے ملاقات کی۔ وفد نے گورنر کو بٹگرام میں احناف کے ہاتھوں قرآن مجید کے متعدد نسخوں سمیت اہلحدیث مسجد کی شہادت کے سانحہ سے آگاہ کیا۔ اس موقعہ پر وفد نے گورنر کو شہید کی جانے والی مسجد کی تصاویر پیش کیں اور حملہ آوروں کی طرف سے لگائی جانے والی آگ کے نتیجہ میں شہید ہونے والے قرآن مجید کے نسخے بھی دکھائے۔ وفد نے گورنر کو بتایا کہ اس سانحہ کا مرکزی کردار علاقے کا ایم این اے سید یوسف شاہ ہے جو کہ نہ صرف اب تک آزاد پھر رہا ہے بلکہ مقدمہ کے مدعی اور اہلحدیث مسجد کے خطیب پر مقدمہ واپس لینے کیلئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ اسی طرح گواہان کو بھی ہراساں کیا جا رہا ہے۔ وفد نے گورنر سے مطالبہ کیا کہ واقعہ کے مرتکب مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے اور گرائی جانے والی مسجد کی تعمیر کے احکامات جاری کئے جائیں۔ وفد مولانا مسعود الرحمٰن جانباز، مولانا عبداللہ شاہ غازی، مسجد کے خطیب حافظ یوسف غلام اور جار اللہ پر مشتمل تھا۔